التبلیغ الحقیقی اسلام اور امن عام حفظ الخیران
احکام التبلیغ فضیلتِ جہاد رفع الاشتباہ عن تعلیم النسا



خطباتِ مسیح الامّت

ادارہ
تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

مسیح الامّت
حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحبؒ

فہرست خطبات مسیح الاُمّت جلد سوم

التبلیغ الحقیقی

احکام التبلیغ

بعد خطبہ ماثورہ :۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ

تمہید

یہ جو آپ حضرات کے سامنے اس وقت پڑھا گیا ہے یہ قرآن پاک میں سے چودھویں پارے کی ایک آیت ہے جس مضمون کو میں عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ کوئی نیا مضمون نہیں۔ مگر ایک اعتبار سے نیا بھی ہے۔ اصل اور حقیقت کے اعتبار سے تو نہیں البتہ عارض کے اعتبار سے نیا ہے۔ اور وہ عارض یہ ہے کہ اس کا جو مقتضا تھا آج کل اس کی کمی ہے، اس کمی کو دور کرنے اور اس کے حقوق پر آگاہ کرنے کے لئے یہ مضمون بیان کیا جارہا ہے، چونکہ جس درجہ کا اہتمام ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہے، اس اعتبار خاص سے اس کو جدید بھی کہا جا سکتا ہے ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے تو پرانا ہی ہے کیونکہ جو پہلے سے دین کا جز ہو وہ تو قدیم ہی ہو گا۔ اس لئے جدید مضمون کا انتظار علی الاطلاق تو غلطی ہے۔

نیز جدید اس اعتبار سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اب تک سامعین کو معلوم ہی نہیں ہوا یا یہ کہ معلوم تو ہے مگر توجہ ہی نہیں رہی اس لئے بیان میں ان اعتبارات سے جدت ہو سکتی ہے چنانچہ "اس وقت" کا لفظ بھی اسی لئے کہا گیا کہ یہ مضمون خاص اعتبار سے نیا ہے، اہل علم کو تو آیت کی تلاوت ہی سے اس مضمون کی تعیین ہو گئی ہو گی، لیکن جو اہل علم نہیں ان

کو ترجمہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا، اس لئے اولاً آیت کا ترجمہ کرتا ہوں تاکہ ان کے نزدیک بھی مضمون متعین ہو جائے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلائیے اور اگر مجادلہ کی ضرورت ہو تو ان سے مجادلہ بھی کیجئے، مگر وہ مجادلہ احسن طریق سے ہو۔

ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو مضمون بیان کرنا ہے وہ مضمون خدا کے راستہ کی طرف بلاتا ہے، رہا یہ کہ خدا کا راستہ کیا ہے؟ سو خدا کا راستہ وہ ہے جس سے خدا تک رسائی ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ راستہ صرف اسلام ہے، اگر انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے احکام بجا لاتا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ تک رسائی ہو جاتی ہے، یہی سبیل رب ہے جس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے، اور اسلام میں دو قسم کے احکام ہیں، ایک اصول دوسرے فروع، سبیل دونوں کو عام ہے، مطلب یہ ہوا کہ آپ اصول کی بھی دعوت دیجئے اور فروع کی بھی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ان کو اصول و فروع بتلا کر اسلام کی طرف بلائیے مگر دعوت کا ایک طریقہ ہے اور یہ طریقہ دعوت کے متعلقات سے ہے یعنی دعوت کے آداب ولوازم جن کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا یہاں پر تعیین مضمون کے واسطے اتنا ہی کافی ہو گیا کہ وہ مضمون اسلام کی طرف بلانا ہے، اور اسلام ہی دین حق ہے وہی سبیل رب ہے وہی صراط مستقیم

ہے، یہ سب اس کے القاب ہیں۔

دعوت کا حکم حضور اکرمؐ کے ساتھ خاص نہیں

اور یہ ظاہر ہے کہ گو یہاں ادع کا خطاب اور دعوت دینے کا حکم حضورؐ کو ہے مگر یہ حکم حضورؐ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسول اور اتباع رسول سب اس کے مخاطب ہیں، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب اولاً ہے اور دوسروں کو ثانیاً اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس بارے میں ہماری کیا حالت ہے؟ ہم کو اس کی طرف توجہ ہے یا نہیں؟ سو حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ادھر بالکل توجہ نہیں گو اعتقاداً اس کو مامور بہ تو سمجھتے ہیں، مگر جس درجہ کا مامور بہ ہے اس درجہ سے بہت کم سمجھا جاتا ہے اس کو درجہ وجوب میں سمجھنے والے تو بہت کم ہیں، کوئی مستحب کہتا ہے کوئی مستحسن پھر عجیب بات یہ ہے کہ مستحسن سمجھنے میں بھی یہ قید لگا دی جاتی ہے کہ مصلحت کے خلاف نہ ہو، کیونکہ دینی کاموں میں بھی لوگ اول غرض کی طرف دیکھتے ہیں کہ اس کے موافق ہے یا نہیں پھر وہ غرض جہاں فوت ہونے لگی کہہ دیا کہ یہ کام مصلحت کے خلاف ہے لہذا مستحب بھی نہیں رہا، عجب نہیں کہ ایک دن مصلحت فوت ہونے کی وجہ سے مامور بہ کو منہی عنہ بتلانے لگیں۔

اغراض تابع احکام ہیں

صاحبو! چاہئے تو یہ کہ اغراض کو احکام کے تابع بنائیں نہ کہ احکام کو اغراض کے تابع بنایا جائے افسوس کہ ایسا نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض تو اغراض نفسانی کو پورا کرنے کے لئے دعوت اسلام کا نام فتنہ و فساد رکھتے ہیں یہی وجہ ہے بے توجہی کی کہ اس میں اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے بے

حد تساہل کرتے ہیں حتی کہ اگر اپنی آنکھ سے بھی دیکھیں کہ کسی نے نماز میں تعدیل ارکان نہیں کیا تو ہماری یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس سے کہہ دیں کہ صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا تھا، امر بالمعروف نہ کرنے کی وجہ صرف اتنی ہے کہ اس سے دنیوی اغراض فوت ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ دوستی نہ رہے گی میل ملاپ جاتا رہے گا ہنسی خوشی باقی نہ رہے گی ہم نے کسی کو ٹوکا تو وہ ناخوش ہو جائے گا، پھر ناخوش ہو کر آزار و نقصان کے درپے ہو گا اس سے ہم کو تکلیف ہو گی اور یہ سب آزار و تکلیف کی باتیں محض وہمی ہوتی ہیں۔

امر بالمعروف میں عذر تلاش کرنا غلط ہے

صاحبو! اس قسم کے تخیل سے امر بالمعروف کرنے سے اپنے کو سمجھ لیا کہ ہم معذور ہیں یہ درست نہیں جب تک کہ علماء سے دیافت نہ کر لیا جاوے خود ہی مفتی بن کر فتویٰ اگا لیا کہ ہم معذور ہیں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پوچھنا ضروری ہے، اور اس پوچھنے کا حق بھی اس شخص کو پہنچتا ہے جس نے امر بالمعروف کا پکا ارادہ کر لیا ہے وہ اگر اعذار معلوم کرے تو اس کو سب کچھ بتلایا جاوے گا باقی جس کو اس کی طرف توجہ اور التفات ہی نہیں تو اس کو اعذار معلوم کرنے اور پوچھنے سمجھنے کا بھی کچھ حق نہیں، کیونکہ وہ تو اعذار اس لئے معلوم کرے گا اور تلاش کرے گا تاکہ امر بالمعروف کرنا نہ پڑے اور یہ کہہ سکے کہ مجھ میں تو یہ یہ عذر موجود ہیں پھر امر بالمعروف کیسے کروں البتہ جس کا پختہ ارادہ ہے امر بالمعروف کرنے کا وہ پوچھے تو اس کو بے شک بتلایا جائے گا ہر سائل کو یکساں جواب دینا مناسب نہیں۔

دے رہے تھے، اس میں یہ حدیث آئی کہ مَنْ صَلَّی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلًا عَلَیْهِمَا بِقَلْبِهٖ الحدیث کہ جو شخص ایسی دو رکعتیں نماز پڑھے کہ جن کی طرف دل سے متوجہ ہو کر حدیث نفس اور وسوسہ عمداً بالکل نہ لاوے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا واقعہ

ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت اس طرح نماز پڑھنا ممکن بھی ہے؟ فرمایا ارے کبھی اس کا قصد بھی کیا تھا جو محال نظر آیا ہو بس پہلے ہی پوچھنے بیٹھ گئے یعنی ارادہ بھی تو کیا ہوتا، خدا کے بندے پہلے کرتے پھر پوچھتے کہ ہم نے کیا تھا مگر نہ ہوا یہ جواب نہایت حکیمانہ و بزرگانہ ہے، غرض جو شخص امر بالمعروف کا ارادہ رکھتا ہو اور جس کو امر بالمعروف کا اہتمام ہو اس کو واقعی مختلف حالات و اعذار پیش آئیں گے ایسے شخص کو بے شک ہر حالت کے آداب و اعذار معلوم کرنا چاہئے تاکہ کام حدود کے اندر ہو سکے۔

غرض پہلے ہر شخص قلب کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ امر بالمعروف کا قصد ہے یا قصد نہیں بلکہ اعذار معلوم کرنے کے ذریعہ محض اس سے رہائی اور مخلصی چاہتا ہے اگر قصد ہو تو بے شک اس کے آداب و اعذار و شرائط سیکھے۔

امر بالمعروف کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے

اس لئے کہ امر بالمعروف کا حکم علی الاطلاق نہیں کہ جس طرح بھی ہو اندھا دھند دعوت و تبلیغ کرو کہ نہ شرائط کی پرواہ ہو نہ آداب کی رعایت بلکہ اس کے لئے ضوابط و طرق مقرر ہیں کیونکہ امر بالمعروف

فرضیت و وجوب میں نماز سے تو بڑھ کر نہیں بلکہ برابر بھی نہیں اسی لئے قرآن پاک میں اقامت صلوٰۃ کے بعد امر بالمعروف کا حکم ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ مگر پھر بھی نماز کے لئے کچھ آداب و اعذار و شرائط و ضوابط ہیں یہ نہیں کہ جو نماز پڑھنا چاہے اس کے لئے کچھ ضابطہ ہی نہیں نہ وضو کی ضرورت نہ ستر عورت و قرأت کی نہ طہارت و پاکی کا خیال نہ استقبال قبلہ کی ضرورت بلکہ اگر نماز پڑھنا چاہے تو ان سب باتوں کی رعایت ضروری ہے کہ بغیر ان کے نماز نہیں ہوتی، تو جیسے نماز فرض ہے اور پھر بھی اس کے لئے شرائط وآداب وارکان وغیرہ ہیں اسی طرح امر بالمعروف کے لئے بھی کچھ قواعد وآداب ہیں جن کا علم علماء کو ہے۔

امر بالمعروف کے آداب علماء سے سیکھیں

علماء سے ان آداب و ضوابط کو پوچھنا چاہئے، وہ بتلائیں گے کہ اس کے لئے کیا شرط ہے کیا ضابطہ ہے کیا آداب ہیں، چنانچہ امر بالمعروف کی ایک قسم اصول کی تبلیغ کرنا ہے اس کے الگ آداب ہیں دوسرے فروع کی تبلیغ کرنا ہے اس کے الگ آداب ہیں، علماء سب پہلوؤں کو جانتے ہیں، اس کا طریق ان سے سیکھو یہ نہیں کہ بس جس طرح ہو کر لو نہ کوئی ضابطہ نہ قاعدہ جو ملا اس کو امر بالمعروف اندھا دھند کر دیا گویا ایک لٹھ سا مار دیا۔ مثلاً کوئی کافر ملا اس سے کہا ابے تو مسلمان ہو جا، اس نے کہا ابے تو کافر ہو جا۔ اسی طرح تیزی ہو کر جھگڑا ہو گیا۔

صاحبو! یہ کوئی معمولی کام نہیں بہت نازک کام ہے، اس کے واسطے بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں، ان میں اس کے آداب مذکور ہیں یہ بھی ایک مستقل فن ہے اس کو سیکھ کر پھر عمل شروع کرو اپنی رائے کا شریعت

میں کچھ اعتبار نہیں عوام تو کیا اہل علم کو بھی حکم ہے کہ اپنے سے زیادہ عالم سے پوچھ کر کریں۔

مشورہ کا حکم

صاحبو! جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ لینے کا حکم فرمایا گیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ تو ہم کو تو ضرور ہی مشورہ لینا چاہئے، یہ سنت نبویؐ ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف بڑوں ہی سے مشورہ کرنا نہیں بلکہ بڑوں کو بھی چھوٹوں سے مشورہ کر لینا چاہئے کہ بعض دفعہ کوئی کام کی بات نکل آتی ہے، تو جب بڑے کو چھوٹے سے مشورہ لینے کا حکم ہے تو چھوٹے کو بطریق اولیٰ بڑوں سے پوچھنا چاہئے پھر جس طرح اپنے مقتدا حکم فرمائیں اس طرح کیا جائے، یہ ہے کام کرنے کا طریقہ، امر بالمعروف کے یہ معنی نہیں کہ جو کافر ملے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو مسلمان بنانا شروع کر دے بعض دفعہ یہ طرز مضر ہوتا ہے اس لئے امر بالمعروف کا ڈھنگ اور طرز سیکھنا ضروری ہے اسی طرز و طریق کے لئے حق تعالیٰ نے یہ قید لگائی ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ۔ یعنی حکمت کے ساتھ بلائیں، معلوم ہوا کہ اس میں حکمت کی ضرورت ہے ورنہ مطلق فرماتے بالحکمۃ نہ فرماتے۔

بہر حال تبلیغ اور امر بالمعروف کے شرائط ضرور ہیں مگر وہ اسی کے لئے ہیں جو کام کرنے کا قصد کرے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ قصد ہی نہیں کرتے عوام تو عوام خواص کو بھی ادھر توجہ نہیں ہے۔

درویشی کے غلط معنی

آج کل درویشی کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ کسی کو کچھ نہ کہے سب

کے ساتھ صلح کل ہو کر رہے وہ تو درویش ہے ورنہ نہیں اور اس کے لئے انہوں نے ایک شعر گھڑا ہے جس کو حافظ شیرازی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ حافظ کا شعر نہیں ہو سکتا وہ شعر یہ ہے:-

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

جس شخص کو ذرا بھی حافظ کی فصاحت و بلاغت کا ذوق ہے وہ کیا تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ ان کا کلام ہے؟ ہرگز نہیں دوسرے یہ کہ حافظ شیرازی صاحب رام رام جانتے بھی نہیں تھے، بلکہ انہوں نے کبھی سنا بھی نہ ہو گا پھر بڑی بات یہ ہے کہ حافظ صاحب کا دیوان موجود ہے اس میں دیکھ لیا جاوے باوجود دیوان میں تحریفیں ہونے کے یہ شعر تحریف کے بعد بھی اس میں موجود نہیں، تو جب یہ دیوان حافظ کا شعر نہیں تو پھر اس سے استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

حافظ کے شعر سے غلط استدلال

ایک اور شعر بھی ہے جس سے بعض صوفی اپنے مسلک صلح کل پر استدلال کرتے ہیں اور وہ شعر واقعی حافظ صاحب کا ہے اور وہ یہ ہے:-

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن

کہ در شریعت ما غیرازیں گناہے نیست

کہ بس کسی کو آزار نہ دینا چاہئے دل نہ دکھانا چاہئے کہ یہ اچھا نہیں پھر کیوں کسی کو امر بالمعروف کیا جائے کہ ایسا کرنے سے وہ ناگواری اور تکلیف پائے گا، سو اگر اس شعر میں ہر آزار کی ممانعت ہے کہ متکبر کا دل دکھانا بھی منع ہے تو پھر "ہرچہ خواہی کن" کی بھی عام اجازت ہونا چاہئے کہ جو کچھ جی چاہے کرے، زنا کی بھی اجازت ہو اور چوری کی بھی اور غصب اور لوٹ مار

کی بھی بس جو چاہو کرو سب کی اجازت ہے اور اگر کہو کہ چوری سے تو آزار ہوتا ہے اور اس کی ممانعت ہے تو زنا میں تو آزار نہیں اور اگر شوہر اور خاندان کو آزار ہے تو اگر کوئی عورت ایسی ہو کہ نہ اس کا شوہر ہو اور نہ باپ بھائی نہ اور کوئی رشتہ دار اور وہ اس فعل کو کراتی ہے تو یہاں کسی کو بھی آزار نہیں (تو کیا اس کی اجازت سے یہ فعل جائز ہو سکتا ہے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور کیا دلیل ہے؟) تو اگر آپ ہرچہ خواہی کن میں تخصیص کرتے ہیں تو ہم آزار میں تخصیص کریں گے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ کسی کو آزار؟ آزار کے قصد سے مت دو، در حقیقت درپے آزار ہونا یہی ہے اور جو شخص بغرض اصلاح آزار دے اس کو ہرگز درپے آزار نہیں کہہ سکتے جیسے طبیب اور ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے یا باپ استاد تادیباً مارتا ہے اس کو آزار دینا نہیں کہتے۔

اسی طرح امر بالمعروف کرنے والے سے کسی کو آزار پہنچے تو اس کو درپے آزار کہنا صحیح نہیں لہذا وہ اس شعر کا مصداق ہی نہیں، اس لئے امر بالمعروف سے رکنے کے واسطے اس شعر کو آڑ بنانا محض باطل ہے اور اگر آزار میں ایسی ہی تعمیم ہے کہ ہر امر بالمعروف میں آزار و تکلیف پہنچتی ہے لہذا امر بالمعروف نہ کیا جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر معصیت کو بھی چھوڑ دو اس لئے کہ اس سے بھی آزار پہنچتا ہے اب آپ سوچتے ہوں گے کہ ہمارے گناہوں سے کس کو آزار پہنچتا ہے تو صاحبو! میں اس کے متعلق ایک حکایت عرض کرتا ہوں اس سے اندازہ کر لیجئے۔

مرزا بیدل کی حکایت

مرزا بیدل شاعر کی حکایت ہے کہ ان کے اشعار تصوف کا رنگ لئے ہوئے تھے کسی ایرانی نے ان کے اشعار کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔ اور

مرزا بیدل کو بزرگ سمجھ کر ان کے پاس آئے جب ان کے پاس پہنچے تو یہ حجام سے داڑھی منڈوا رہے تھے یہ دیکھ کر ایرانی کو غصہ آگیا اور جھلا کر اس نے کہا۔

"آغا ریش می تراشی"

شاعر بیدل نے جواب دیا۔

"آرے ریش می تراشم دلے دل کسے نمی خراشم"

ایرانی بے چارہ ایک مخلص تھا اس نے کہا۔

"بلے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی" کہ ارے ظالم تو تو سب سے بڑے دل کو چھیل رہا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں کسی کے دل کو نہیں چھیلتا، ارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب یہ اعمال پیش ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ میری امت کا ایک شخص یہ حرکت کرتا ہے کیا اس سے آپ کا دل نہیں دکھتا اور کیا آپ کا دل دکھانا چھوٹی بات ہے آپ کا قلب تو سید القلوب ہے جب تم سید القلوب کو تکلیف و آزار دے رہے ہو پھر یہ دعویٰ کس طرح کرتے ہو کہ ہم کسی کا دل نہیں دکھاتے تم تو در پے آزار ہو گئے۔

مرزا بیدل نے یہ سنا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا، جب ہوش آیا تو توبہ کی اور کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہم راز کردی

یعنی میں تو اندھا تھا میری نظر ادھر نہیں گئی کہ مجھ سے اتنے بڑے قلب کو ایذا ہو رہی ہے تو نے میری آنکھیں کھول دیں خدا تجھ کو جزائے خیر دے۔

معصیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے

اس حکایت سے سمجھ لیا جائے کہ جب آپ سے کوئی غیر مشروع بات اور معصیت سرزد ہو گی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آزار ہو گا یا نہیں تو تم معصیت کرنا چھوڑ دو کہ اس سے آزار ہوتا ہے علماء امر بالمعروف کرنا چھوڑ دیں گے اگر معصیت میں آزار نہیں لہذا "مباش درپے آزار وہرچہ خواہی کن" کو امر بالمعروف اور ترک احکام شرعیہ کے لئے آڑ بنانا بالکل لغو اور باطل ہے۔

دوسری بڑی بات یہ ہے کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کے مقابلہ میں سب اشعار ہیچ ہیں سیدھا جواب یہ ہے کہ خدا اور رسول کا حکم یہ ہے سو نصوص کے اندر امر بالمعروف کا حکم موجود ہے اور اس کے نہ کرنے پر نکیر ہے اس قسم کے اشعار سے نصوص کا مقابلہ کیونکر درست ہو سکتا ہے احکام الٰہی کے سامنے کوئی چیز حجت نہیں اس لئے یہ اشعار بھی کچھ حجت نہیں۔

مقصود بیان

غرض امر بالمعروف یقیناً واجب ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس طرف بالکل توجہ نہیں یہ ہم میں بڑی کوتاہی ہے اسی کوتاہی کو رفع کرنے اور اس پر آگاہ کرنے کے لئے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی فرض ہے البتہ مختلف اوقات میں اس کے مختلف طریقے ہیں۔

درس و تدریس بھی تبلیغ ہے

مثلاً اس وقت آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا ثواب نیت پر ہے تو پڑھنے میں یہ نیت ہو کہ پڑھنے سے

فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی شعبہ تبلیغ ہے بلکہ بلا شبہ اصل تبلیغ ہے میں نے اس وقت کی قید اس لئے لگائی کہ پہلے زمانہ میں صحابہ و تابعین کو تدریس متعارف کی کوئی حاجت نہیں تھی ان کا تو بغیر اس کے کام چلتا تھا چونکہ حافظے بہت کافی تھے تدین بھی تھا اور اس وقت اس طرز تدریس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں اور لوگوں کا نہ حافظہ ویسا ہے نہ تدین ویسا ہے نہ ان کے قول پر ان جیسا وثوق ہے تو پھر زبانی کوئی مضمون حدیث وفقہ کا بیان کیا جاتا تو سننے والوں کو ہرگز تسلی نہ ہوتی خیال ہوتا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں نہ معلوم ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا خلط مبحث ہوتا دین میں بڑا فساد پھیلتا خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اپنی عنایت و رحمت سے کتابیں مدون کرا دیں مدرسے قائم کرا دیئے اس کے سامان مہیا کر دیئے ان سامانوں میں سے چندہ کرنا اور دینا بھی ہے مگر شرط یہ ہے کہ طیب خاطر سے ہو۔

صاحبو! جب ان چیزوں کی ضرورت ثابت ہو گئی کہ بغیر ان کے کام نہیں چل سکتا، چنانچہ اگر کتابیں نہ ہوں تو ہم تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سلف کی باتیں پہنچنے کی کوئی صورت نہیں اور بغیر مدارس قائم کئے تعلیم کتب ممکن نہیں لہذا یہ بدعت تو کیا ہوتا بلکہ سنت ہے کیونکہ اس درس و تدریس سے بھی مقصود تبلیغ ہی ہے سو یہ درس و تدریس تبلیغ کا سب سے بڑا فرد ہے بلکہ تبلیغ کے تمام شعبوں کا اول اور اصل ہے تمام محکموں کا مدار ہے۔

ایک شبہ کا جواب

رہا یہ شبہ کہ اگر درس و تدریس میں نیت دین کی تبلیغ کی بھی کر لی جائے تب بھی ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس کے ساتھ تنخواہ کی بھی نیت ہے

اور یہ دنیا ہے تو نیت تبلیغ کے بعد بھی ثواب کہاں کیونکہ خالص تبلیغ ہی کی نیت تو نہیں بلکہ مدرسہ مطلوب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے ایک تو وہ مدرسین ہیں جن کا مقصود صرف نوکری اور تنخواہ ہے دوسرے وہ جن کا مقصود تبلیغ درس و تدریس ہے اور تنخواہ نفقہ کے طور پر لیتے ہیں، جیسے قاضی بیت المال سے تنخواہ لیتا ہے اور اصل مقصود صرف خدمت دین ہے۔

سو جن کو مقصود بالذات دنیا ہے ان کو ثواب نہ ملے گا اور جن کو مقصود بالذات دین ہے مگر روپیہ گذر اوقات کے لئے لیتے ہیں ان کو ثواب ملے گا اور اس کو تنخواہ کہا ہی نہ جائے گا خواہ بلا شرط ہو یا بشرط ورنہ قاضی مفتی بلکہ خلفائے راشدین کسی کو ثواب نہ ملتا اور اس کی علامت کہ مقصود صرف دین ہے اور تنخواہ رفع حاجت کے لئے لی جاتی ہے یہ ہے کہ اگر دوسری کوئی بڑی نوکری ملتی ہو، اور یہ رفع ضرورت کے لئے کافی ہو کہ کوئی تنگی نہیں ہے اور وہ دوسری جگہ نہیں جاتا تو یہ علامت اس کی ہے کہ دین مقصود ہے اور اگر ضرورت پوری ہونے اور تنگی نہ ہونے کے باوجود دوسری بڑی جگہ کی تلاش کی جائے اور ملنے پر چلا جائے تو یہ علامت اس کی ہے کہ مقصود دین نہیں بلکہ تنخواہ ہے تو اس شخص کو ثواب نہ ملے گا کہ یہ ملازمت محض دنیا کے لئے ہے نہ کہ دین کے لئے دین کے لئے ملازمت وہ ہے جس میں دین کا عزم ہو ہر شخص دل میں ٹٹول کر دیکھ لے حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے محض لفظی نیت سے کام نہیں چلتا۔

خلاصہ یہ کہ زیادہ تنخواہ ملے اور دین کا کام دونوں (کم تنخواہ والی اور زیادہ تنخواہ والی) جگہ برابر ہو پھر نہ جائے تو اس کو دین کی خدمت ہی کہا جاوے گا اور اگر چلا جائے تو مقصود دنیا ہو گی گو اجرت لینے میں گناہ نہ ہو

مگر ثواب بھی نہ ہو گا گناہ اس لئے نہ ہو گا کہ امام شافعی کے نزدیک تعلیم قرآن پر تنخواہ لینا جائز ہے اور علماء احناف نے بھی اس پر فتوی دیا ہے۔

اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ نفقہ قاضی کے مثل ہے تو پھر تنخواہ کی تعیین کیسی؟

جواب یہ ہے کہ تعیین تنخواہ محض رفع نزاع کے لئے ہے کیونکہ اصل مقصود رفع ضرورت ہے، اور ضرورت کبھی کم ہوتی ہے کبھی زیادہ اور اس میں معتبر قول صاحب حاجت کا ہے سو کسی کو اس پر شبہ ہو گا کہ حاجت پانچ کی ہے اور اس نے بتلائے کہ دس روپے خرچ ہوئے اسمیں نزاع ہو گا اس لئے تعیین کر دی جاتی ہے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا نفقہ زوجہ کہ اصل اس میں عدم تعیین ہے چونکہ وہ اجرت نہیں بلکہ حق واجب ہے اور اصل معیار اس کا حاجت ہے اس لئے قاضی کے متعین کرنے سے پہلے بھی اس کا ادا کرنا واجب ہے لیکن بعض دفعہ عدم نزاع کی مصلحت کے لئے قاضی زوجہ کے نفقہ کی تعیین کر دیتا ہے اور اس کے بعد بھی وہ نفقہ ہی ہوتا ہے اجرت نہیں ہو جاتی سو اگر تعیین تنخواہ منافی ثواب ہوتی تو چاہئے کہ نفقہ بھی تعیین قاضی کے بعد نفقہ نہ رہے بلکہ اجرت ہو جائے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں غرض تنخواہ لینے کے بعد بھی بعض صورتوں میں اجر ملتا ہے اور جب اجر ملتا ہے تو پھر نیت تبلیغ کی کیوں نہ کی جائے جس میں برابر تبلیغ کا اجر ملتا رہے پس مدرسین اور طلبہ تبلیغ کا ثواب سن کر پڑھنا پڑھانا ہرگز نہ چھوڑیں اسی میں نیت تبلیغ کی کرلیں۔

تبلیغ کے اقسام و تدریس

اور اگر تبلیغ کی قسمیں کر دی جائیں تب تو درس و تدریس بھی

تبلیغ میں داخل ہے کیونکہ ایک تبلیغ اصول کی ہے جو کفار کو کی جاتی ہے دوسری قسم فروع کی تبلیغ جیسے نماز روزہ یہ مسلمانوں کو کی جاتی ہے تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا ہے اور یہ بدوں درس و تدریس ممکن نہیں چوتھی قسم تصنیف و تالیف پانچویں قسم خدمت مالی لہذا درس و تدریس کا تبلیغ ہونا بالکل ظاہر ہے جب کہ تبلیغ کی مختلف قسمیں ہیں تو اب ضروری نہیں کہ ہر شخص ساری قسمیں ادا کرے بلکہ اس کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے کہ ایک ایک کام کو خاص جماعت کے سپرد کیا جائے۔

تقسیم کار کی ضرورت

ہر ایک آدمی ہر ایک کام کے قابل نہیں ہوتا چنانچہ خود قرآن پاک میں بھی تقسیم خدمات کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ اس میں حق تعالیٰ نے سب کو ایک ساتھ جہاد میں جانے پر عتاب فرمایا ہے اور یہ تعلیم کی ہے کہ ایک جماعت جہاد میں جائے اور ایک علم حاصل کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدمات تقسیم ہوتی ہیں اسی طرح جو تبلیغ کے اقسام ہیں کسی کو کوئی خدمت کرنا چاہئے اور کسی کو کچھ کرنا چاہئے سب ایک ہی کام میں نہ لگ جائیں اس سے دین کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی اور یہ خدمات اپنی رائے سے تجویز نہ ہوں بلکہ اپنے اکابر سے پوچھ کر متعین ہوں کہ تبلیغ کے اندر وہ جس کو جو خدمت سپرد کر دیں وہ اسی کو انجام دے مثلاً کسی کو مالی خدمت تجویز کریں کسی کو جانی اور کسی کو تصنیف و تالیف کی کسی کو درس و تدریس کی کسی کو وعظ اور مناظرہ کی کہ یہ سب

تبلیغ ہی ہے اور کسی کو تبلیغ متعارف کے واسطے مقرر کریں مبلغ بنائیں۔

دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے مبلغ ہیں

پس اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ پڑھنے والا بھی مبلغ احکام سنانے والا بھی مبلغ مضامین لکھنے والا بھی مبلغ، مناظرہ کرنے والا بھی مبلغ جہاد کرنے والا بھی مبلغ مال دینے والا بھی مبلغ جیسا کہ تبلیغ متعارف کرنے والا مبلغ ہے یہ نہ سمجھو کہ یہ تبلیغ نہیں، یہ سب تبلیغ ہی میں داخل ہے کیونکہ مقدمات تبلیغ ملحق بالتبلیغ ہوتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ معلوم ہوا کہ معاونت بر بھی بر ہے، کیونکہ اس میں تعاون مامور بہ ہے اور مامور بہ کا بر ہونا لازم ہے بہر حال تبلیغ کے متعلق متعدد خدمات ہیں پس ایک جماعت ایسی ہو کہ جو اشاعت اسلام کرے اور ایک جماعت ایسی ہو کہ مال سے ان کی امداد کرے اور ایک جماعت ایسی ہو جو تعلیم و تعلم کے ذریعہ مختلف شعبوں کو انجام دینے کے قابل ہو۔

غلو کی اصلاح

میرے بزرگو! اور دوستو! میں نے اس کو کچھ تفصیل سے اور مکرر اس لئے بیان کیا ہے کہ ہم لوگوں کو کام کے وقت غلو ہو جاتا ہے کہ جدھر رخ کرتے ہیں سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اس لئے تبلیغ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدرسین و طلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر چلے جائیں۔

یہ دیکھا جارہا ہے کہ وہ طلبہ بھی جو ابھی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے لئے تکمیل علم اول

ضروری ہے کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہو تو تصنیف و تبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے کیونکہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ کچھ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل ہی معدوم ہو جائے گا تو تعلیم بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے اور فرد بھی فرد اعظم کہ تمام شعبے اور محکمے اسی پر موقوف ہیں یہ بات امر بالمعروف کے سلسلے میں چل رہی تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ امر بالمعروف یقیناً واجب ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس طرف بالکل توجہ نہیں اسی کوتاہی کو رفع کرنے کے لئے یہ مضمون اختیار کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی ایک فرض ہے۔

تبلیغ بخطاب خاص اور تبلیغ بخطاب عام کے حدود

البتہ اس میں ایک تفصیل ہے وہ یہ کہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک بخطاب خاص ایک بخطاب عام، خطاب خاص تو سب کے ذمہ میں یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں اور خطاب عام جس کو وعظ کہتے ہیں یہ سب کے ذمہ فرض نہیں بلکہ یہ صرف علماء پر واجب ہے اور انہیں کا حصہ ہے۔ امر بالمعروف بخطاب خاص کا مدار قدرت پر ہے یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے اسی قدر اس پر واجب ہے کہ اس کو امر بالمعروف کرے مثلاً ماں باپ کہ ان کو اپنی اولاد پر قدرت ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں حدیث شریف میں ہے مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعاً وَّ اضْرِبُوْهُمْ اِذَا بَلَغُوْا عَشْراً۔ اور خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جو اس کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے۔

غرض ہر ایسے شخص پر جس کے کچھ لوگ ماتحت اور نگرانی و تربیت میں ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو امور خیر کا حکم کرے اور منکر باتوں سے روکے

اس کے لئے پورا عالم ہونا ہی ضروری نہیں ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ کا یہی منشا ہے پس تبلیغ خاص کے لئے اس مسئلہ کی حقیقت کا پورے طور سے منکشف ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے۔

وعظ کہنا صرف علماء کا کام ہے

اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے سن سن کر عالم ہو گیا ہو اور وہ قوی الحافظہ ہو متدین ہو اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے متعین کیا ہو جیسا کہ صحابہؓ کرام کہ وہ بھی سن سن کر تبلیغ فرماتے تھے مگر از خود نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اسی طرح ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس کے قابل ہوں جب تک کہ کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم قابل ہو آج کل بعض لوگ اردو کی کتابیں دیکھ کر وعظ کہنے لگے اور احکام میں ایسی ایسی غلطیاں کرتے ہیں کہ کچھ انتہا نہیں (اذا وجد من يتصدى لعلم الشرع وليس من اهله من فقيه اوواعظ ولم يا من اغترار الناس به فى سوء تاويل اوتحريف جواب انكر عليه الصدى لماليس من اهله واظهر بامره لئلا يغتربه (احکام السلطانیہ ص۲۳۹) اگر محتسب کسی ایسے شخص کو دیکھے جو نا اہل ہونے کے باوجود فقیہ یا واعظ بنا ہوا ہو اور اندیشہ ہو کہ غلط سلط مسائل اور احکام بیان کرنے سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے تو محتسب ایسے نا اہل شخص کو مقتدیٰ بننے سے روک دے اور اس کی نا اہلی کا اعلان بھی کر دے تاکہ اس کی وجہ سے لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔

اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ تفسیر بیان القرآن میں وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کے تحت فرماتے ہیں "اور علم کی شرط

ہونے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات و احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں حدیث شریف میں ہے لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ۔ مطلب یہ ہے کہ وعظ کہنے کا حق یا تو امیر کو ہے یا مامور کو ہے خواہ امیر کی جانب سے مامور ہو یا جماعت مسلمین کی طرف سے مامور ہو اور جو نہ امیر ہو نہ مامور ہو اور وہ وعظ کہے تو وہ متکبر ہے چنانچہ در مختار میں ہے۔

التذكير على المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبياء والمرسلين ولرياسة ومال وقبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى یعنی منبروں پر اپنی اور دوسروں کی نصیحت کی خاطر وعظ کہنا انبیاء و مرسلین کی سنت ہے اور جاہ طلبی اور حب مال اور قبول عام کی خاطر وعظ کہنا یہود و نصاریٰ کی گمراہی ہے) ہر کام کی ایک حد ہے اس حد تک کام کیا جائے تو نہ کوئی حرج ہے نہ ظلم۔

الغرض تبلیغ میں مشغول ہونے کے لئے یہ طریق اختیار کیا جائے یہاں اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ میں بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر مقصود خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب کرنا نہیں بلکہ عام ہے چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ۔ کہ میں اور میرے متبعین اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔

ترک امر بالمعروف پر وعیدیں

دوسری نصوص میں عدم دعوت کی وعید عام ہے چنانچہ ترمذی

شریف میں ایک حدیث ہے کہ جو لوگ امر بالمعروف نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو عام عتاب کرے گا۔ اور آپ نے اس کے استشہاد کے لئے یہ آیت پڑھی۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ تو اس کے انضمام سے معلوم ہوا کہ امت کا ہر فرد وجوب دعوت کے حکم میں داخل ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلی امتیں امر بالمعروف کے ترک سے ہلاک ہوئیں اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ اگر امم سابقہ کے حالات نقل کر کے نکیر کی جائے تو اس امت کے لئے بھی وہ حجت ہے۔

نیز حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے شکار کے قصہ میں فرمایا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَانِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً شَدِيْداً یعنی بعض صلحاء نے دوسروں سے کہا کہ ان نافرمانوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو انہوں نے جواب دیا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ کہ خدا کے یہاں عذر قائم کرنے کے لئے تاکہ ہم کو معذور سمجھا جائے کہ ہم نے تو ان سے ترک معصیت کے لئے کہا تھا مگر انہوں نے نہیں مانا۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت میں تخصیص نہیں پس اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ۔ میں بواسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم عام ہے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ امت کے ذمہ بھی امر بالمعروف ضروری ہے اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تو بوضاحت اس پر شاہد ہے کہ امر بالمعروف سب کو عام ہے۔

البتہ اس میں وہ تفصیل ہے کہ کس کے ذمہ عام ہے اور کس کے ذمہ خاص جس کو میں نے بیان کر دیا کہ تبلیغ عام تو علماء کے ذمہ ہے اور تبلیغ خاص حسب قدرت ہر جگہ ہر شخص پر واجب ہے، اسی تبلیغ اور امر بالمعروف کا طریق آیت شریفہ میں جس کی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے تعلیم فرما رہے ہیں فرماتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اس میں پروردگار عالم نے اپنے راستے کی طرف دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے اور اس کا طریق بتلایا ہے۔

حکمت موعظت حسنہ اور مجادلہ حسنہ کی تشریح

سو اس دعوت کے متعلق حق تعالیٰ نے تین چیزیں بتلائیں ایک دعوت بالحکمۃ دوسری موعظت حسنہ تیسری مجادلہ حسنہ یعنی ایک قسم کی دعوت تو یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ دعوت کی جائے اور یہ تین طریق دعوت کے اس لئے ہیں کہ جب کسی کو سبیل رب کی طرف دعوت ہو گی تو اس میں دعوت دینے والے کا دعوائے خاص مطلوب ہو گا اور ایک اس کی نقیض ہو گی جو کہ مخالف کا مذہب ہے اب اس میں دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک اپنے دعویٰ کا اثبات اور دوسرے خصم یعنی مخالف کے دعویٰ کا ابطال سو حکمت یہ ہے کہ اپنے دعویٰ پر اس کے اثبات کے لئے علمی دلائل قائم کئے جائیں اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالفت کے مدعی کو باطل کیا جائے اصل مقصود تو یہ دونوں ہیں یعنی اپنے دعوی کے ثبوت میں دلائل قائم کرنا یہ تو حکمت ہے جس کو اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ میں ارشاد فرمایا اور دوسری چیز مخالف کے مدعی کو باطل کرنا اور یہ مجادلہ ہے جس کو وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ میں فرمایا اور ان دونوں میں ایک

خاص علم کی ضرورت ہے، ان دونوں مقاصد کے علاوہ ایک تیسری چیز اور ہے اور وہ موعظت حسنہ ہے جس کو وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ میں بیان فرمایا چونکہ حق تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے اس لئے موعظہ حسنہ بھی ایک طریق بتلا دیا۔

ناصح کی دو قسم

حقیقت اس کی یہ ہے کہ ناصح دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا وہ تو اپنے ضابطہ کی خانہ پوری کر دیتا ہے کہ صرف حکم پہنچانا اس کا فرض منصبی ہے مانو یا نہ مانو اس سے اس کو کوئی بحث نہیں دوسرا وہ جس کو سامعین پر شفقت بھی ہے جیسے کہ باپ کا نصیحت کرنا کہ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی شفقت اس بات کو مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو منوالوں، اس لئے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے دونوں میں یہ کتنا بڑا فرق ہے۔

اور یہ ظاہر اور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شفیق نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی خیر خواہ نہیں اس لئے شفقت ہی کے مقتضا سے اللہ تعالیٰ نے اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً آپؐ کی امت کو فرمایا کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل علمیہ ہی پر اکتفا نہ کرو بلکہ ساتھ ساتھ موعظت حسنہ بھی کرتے رہو جس کی حقیقت بمقابل حکمت یہ ہے کہ جب حکمت سے مراد علمی دلائل ہیں تو موعظت حسنہ سے دلائل کے علاوہ کچھ اور مراد ہو گا سو وہ ایسے مضامین موثرہ ہیں جن سے مخاطب میں نرمی پیدا ہو دل پگھل جائے اور ان مضامین کا مصداق ترغیب و ترہیب ہے یعنی درجات جنت کی ترغیب اور درکات جہنم سے ترہیب کرنا۔

تو اصل مقصود تو احکام کا سنانا ہے خواہ اصل ہوں یا فروع پھر اس

کے لئے ایک درجہ مخاطب کو متاثر کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کا بھی ہے گو وہ بھی ایک حیثیت سے احکام ہی میں سے ہے مثلاً جنت اور دوزخ کا مضمون عقیدہ کے درجے میں تو احکام میں داخل ہے اور اصول میں سے ہے مگر جہاں دوزخ اور جنت کا معتقد بنانا مقصود نہ ہو کہ ان کا تو وہ پہلے سے عقیدہ رکھتا ہے تو اس وقت جنت کی طرح طرح کی نعمتیں حتی کہ ذات حق کا دیدار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محل جنت میں ہم مجلس اور جلیس ہونا اور دوزخ کے طرح طرح کے عذابات اور تکالیف حتی کہ ہمیشہ ان میں مبتلا رہنا لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔ کا بیان کرنا ان سب سے مقصود صرف ترقیق قلب ہو، وہاں ترغیب اورترہیب ہے اور یہ اس لئے کہ عمل اول اول تکلف سے ہوتا ہے کیونکہ طبیعت کے خلاف کام ہے اب اس کے واسطے کوئی امر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہونا چاہئے کیونکہ طبیعت کے خلاف کوئی کام بھی بلا خوف یا بلا طمع کے نہیں ہوتا پھر عادت ہو جاتی ہے اور پھر خالص عبادت بن جاتی ہے اس کے بعد ترغیب و ترہیب کی چنداں ضرورت نہیں رہتی اس لئے ترغیب کی بھی ضرورت ہوئی اور ترہیب کی بھی جیسے باپ بیٹے کو کسی مضر چیز سے روکتا ہے اگرچہ اتنا کہہ دینا کہ یہ چیز مت کھانا حاکمانہ حق ادا کرنے کے لئے کافی ہے آگے اس کو اختیار ہے خواہ کھائے یا نہ کھائے مگر باپ اتنی بات پر قناعت نہیں کرتا بلکہ شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ یہ چیز مضر ہے اس کے کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے دست آنے لگتے ہیں پھنسیاں نکل آتی ہیں یہ اتنا لگنا لپٹنا شفیق ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کو خوف دلانے کی کیا ضرورت تھی۔

اسی طرح کبھی طمع دلانے سے کام لیتا ہے کہ تم کو یہ دوں گا وہ دوں گا۔ شفیق کی تعلیم ایسی ہی ہوتی ہے کیونکہ ایسے آدمی بہت کم نکلیں گے

جو بلا ترغیب و ترہیب کے تعمیل حکم کر لیں گو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جیسے ایک صحابی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ لَمْ يَخَفْ لَمْ يَعْصِ۔ کہ اگر اس کے دل میں خوف خدا بھی نہ ہوتا تب بھی نافرمانی نہ کرتا بعض کو فطری طور سے خدا سے تعلق ہوتا ہے مگر اکثر تو خوف ہی سے رکتے ہیں پھر وہ درجہ بھی نصیب ہو جاتا ہے اس لئے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہے جو کہ موعظت حسنہ ہے۔

سبحان اللہ! حق تعالیٰ کی کتنی بڑی شفقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو اپنی طرف دعوت کا یہ طریق تعلیم فرمایا کہ اس طریقہ سے کام کیجئے کس قدر رحمت ہے کہ دشوار عمل کو کس طرح آسان فرما دیا پھر امر بالمعروف میں جَادِلْهُمْ کے ساتھ احسن کی قید لگائی اور فرمایا وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کہ مجادلہ حسنہ ہو سئیہ نہ ہو حکمت کے ساتھ حسنہ کی قید نہیں لگائی کیونکہ اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرنے میں کسی کو ناگواری نہیں ہوتی بخلاف دوسرے کے دعوے کے رد کرنے کے کہ اس میں کبھی انقباض ہوتا ہے اس لئے حکمت کے ساتھ دعوت دینے میں حسنہ کی قید نہیں لگائی اور مجادلہ کے ساتھ دینے میں حسنہ کی قید لگا دی کہ وہ اگر ہو تو احسن طریق سے ہو جس سے کسی کو رنج و کلفت نہ ہو۔

سبحان اللہ! بندوں پر کس قدر شفقت ہے کہ مخالف کی اتنی رعایت کہ اس کا رد ہو تو ایسے طریقہ سے ہو کہ اس پر حقیقت تو منکشف ہو جائے مگر برا بھلا نہ کہا جاوے۔

دعوت میں بات صاف کہی جائے

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت میں ایسی گول مول بات نہ کہی

جاوے جس سے خصم پر حقیقت نہ ظاہر ہو بلکہ بات تو صاف صاف کہی جاوے مگر احسن طریقہ سے ہو اسی لئے دوسری جگہ فرمایا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہ کھول کے بے جھجک صاف صاف بیان کرو ورنہ جہل سے نجات نہ ہو گی البتہ الفاظ سخت نہ ہوں چنانچہ اس کے متعلق ایک دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ جس کا یہی مطلب ہے کہ سخت الفاظ سے بچو۔

حصول ثمرہ کی فکر نہ کریں

نیز طریق تبلیغ اور آداب تبلیغ میں سے یہ بھی ہے کہ تبلیغ کر کے ظہور نتیجہ اور حصول ثمرہ کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے اس سے بعض دفعہ بہت برا اثر ہوتا ہے اور یہ بالخصوص مبلغ شفیق کو پیش آتا ہے۔ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ تک تو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ تبلیغ شفقت کے ساتھ ہو جس سے یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ تبلیغ کے بعد بھی شفقت کی وجہ سے اس کی فکر میں لگے رہو جلدی اثر ظاہر ہو جائے ہماری آنکھوں کے سامنے ثمرہ عاجلہ مرتب ہو جائے ہم اپنی آنکھ سے اس کو نماز پڑھتا دیکھ لیں۔

اسی طرح تبلیغ اسلام میں یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تحریک کے ساتھ ہی بہت سے مسلمان نظر آنے لگیں اور اس میں بعض دفعہ یہ مصلحت بھی نیت میں ہوتی ہے کہ اس سے صلحاء بنیں گے اور حق بڑھے گا اور حق کو قوت ہو گی تو اہل باطل مغلوب ہوں گے تو پھر وہ مضرت بھی نہ پہنچا سکیں گے اگر یہ مصلحت ہو تو یہ دین ہے مگر اس میں غلو مضر ہوتا ہے لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر اس میں ایک خرابی ہے ایک کھوٹ ہے جس سے بہت نقصان ہے اور وہ یہ کہ یہ سب ثمرات عاجلہ ہیں جن پر بعض مبلغین کی نظر ہوتی ہے سو اگر ان ثمرات کا ترتب نہیں ہوتا تو حزن و ملال ہوتا ہے

اور بعض وقت یاس تک نوبت آجاتی ہے مخاطب پر غیظ پیدا ہو جاتا ہے اور حاضراً یا غائباً برا بھلا کہتے ہیں کہ اس قدر سمجھایا اتنی کوشش کی مگر تو نے سمجھا ہی نہیں میرے وقت کو ضائع کیا اتنی محنت بھی رائگاں گئی اور بعض وقت دل تنگ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور چھوڑ بیٹھتے ہیں یہ اثر ہوتا ہے ثمرات پر نظر ہونے سے۔

بظاہر تو جب مبلغ کو حزن ہوتا ہے اس کا بڑا کمال سمجھا جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا مبلغ شمار کیا جاتا ہے کہ ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ ہے دوسروں سے بھی دعاء کراتے ہیں کہ اس کی اصلاح ہو جائے یہ سب افعال گو محمود ہیں مگر جب غلو ہو جاتا ہے تو اس کا اثر برا ہوتا ہے کہ اس کا انجام یاس اور یاس کا انجام تعطل ہوتا ہے تو جس کو تبلیغ کا فرد کامل سمجھتا تھا اب وہی مفضی الی التعطل و ترک التبلیغ ہو گیا سو یہ درجہ تبلیغ کا کامل نہیں بلکہ ناقص ہے۔

حاصل اس ادب کا یہ ہوا کہ ثمرات کے مرتب ہونے کا انتظار نہ کرے عجلت نہ ہو اور ثمرہ مرتب نہ ہونے سے محزون نہ ہو طبعی حزن کا مضائقہ نہیں بلکہ اس میں اجر زیادہ ہے ممنوع تو اس میں مبالغہ ہے کہ ثمرہ مرتب نہ ہونے سے ہمت ہی توڑ دے تنگ دل ہونے لگے آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے حزن و ملال کی ضرورت نہیں۔

غلو کی ممانعت

اور غلو کے بارے میں ارشاد ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ اس میں غلو کی صریح ممانعت ہے اور رنج و غم بدرجہ ضیق کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ، لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ. مَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ، فَاِنْ

اَسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ۔

یہ سب آیات مبالغہ فی الحزن یعنی اتنا حزن کہ اس سے اپنی صحت ہی خراب ہو جائے یا کام سے بیٹھ رہے اس کی اجازت نہیں ہاں کوشش کی اجازت ہے حاصل یہ کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ میں تبلیغ کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ تبلیغ شفقت کے ساتھ کرو مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر وقت تبلیغ کی وجہ سے فکر میں لگے رہو اسی کا تدارک کرنے کے لئے فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ یعنی تبلیغ تو کرو مگر اس پر نتیجہ کی فکر میں مت پڑو کہ وہ تمہارے اختیار سے باہر ہے اور جس میں شفقت نہیں اس کے متعلق گو اس مقام پر تعرض نہیں کیا گیا مگر دوسرے مقام پر تعرض کیا ہے فرمایا وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ حاصل یہ کہ تبلیغ سختی کے ساتھ نہ ہو تو جو لوگ ترک تبلیغ سے تفریط میں مبتلا ہیں اس کے تدارک کے لئے پہلا جملہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ارشاد فرمایا اور افراط کے تدارک کے لئے دوسرا جملہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ ارشاد فرمایا۔

افراط و تفریط دونوں ممنوع ہیں

غرض تبلیغ میں کہیں افراط کا اندیشہ ہے کہیں تفریط کا اس آیت میں دونوں سے روکا گیا ہے چنانچہ بیان کیا گیا کہ اول جملہ میں تفریط کا علاج ہے اور آخر آیت میں افراط کا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کو اس سے کیا بحث ثمرہ ہو یا نہ ہو آپ اپنا کام کئے جایئے ثمرات کا مرتب کرنا وہ ہمارا

کام ہے ہم جانتے ہیں کہ کون ہدایت پر ہے آپ کو اس سے کیا غرض اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آپ اس کی فکر نہ کیجئے اس کو خدا کے سپرد کیجئے غرض افراط تفریط سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے ہمارے اندر بڑی خرابی یہ ہے کہ یا تو کسی کام پر بالکل توجہ ہی نہیں اور اگر متوجہ ہوئے بھی تو ایک طرف سے چھوٹے بڑے سب کے سب اسی میں منہمک ہو گئے اور سب کاموں کو چھوڑ بیٹھے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ہمارے کاموں میں اعتدال اور استقامت نہیں فی زمانا مشورہ کا بالکل طریق نہیں رہا حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اپنے بڑے نہ ہوں تو چھوٹوں ہی کو مشورہ میں شامل کر لیا کریں۔

صاحبو! دیندار وہ ہے جو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہو انہیں شعبوں میں سے تبلیغ دین کے وہ آداب بھی ہیں جو ابھی بتلائے گئے۔

مقصود رضائے حق ہے

ان سب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تبلیغ ہو مقصود تو رضائے حق ہے نہ محض کام، چنانچہ ارشاد ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰهُ۔ کہ اے میرے پروردگار اس کے شکر کی توفیق عطا فرمایئے جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمایا ہے اور اس کی بھی توفیق عطا فرمایئے کہ میں عمل صالح کروں۔

عمل صالح کیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح وہ نہیں جو محض صورتاً صالح ہو بلکہ حقیقتاً اور عنداللہ وہ عمل صالح ہے جس پر حق تعالیٰ کی رضا مرتب ہو اور وہ وہی ہے جو نہ افراط ہو نہ تفریط نہ غلو ہو نہ مبالغہ۔

بندہ کسی ایسی بات کا ارادہ نہ کرے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو اور اعمال اختیاریہ میں کمی نہ کرے ثمرات غیر اختیاریہ کو تفویض کرے اس قدر ان کے درپے نہ ہو کہ فقدان پر غم کے مارے دم گھٹنے لگے غم تو جب کیا جاتا جب ان ثمرات کا وعدہ ہوتا، البتہ جو ثمرات محمودہ ہیں ان کے لئے دعاء کا مضائقہ نہیں پھر وہ حاصل ہوں تب بھی نہ حاصل ہوں تب بھی دونوں حال میں راضی رہے اور اختیاری اعمال میں لگا رہے اگر یہ دونوں باتیں بطور اصول کلیہ ذہن میں بیٹھ جائیں تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی پریشانی نہ ہو۔

امر بالمعروف سے رضائے حق مطلوب ہے

غرض یہ کہ تبلیغ اور امر بالمعروف میں ہمارے لئے ثمرہ مقصود نہیں اصل مقصود رضائے حق ہے جس کا طریق عمل اور سعی ہے اور جس کو اس آیت میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ الایۃ۔ جس کے تین طریق ہیں۔ حکمت کے ساتھ دعوت دینا یعنی حق کے اثبات میں دلائل پیش کرنا دوسرے خصم کے باطل دعویٰ کا مجادلہ حسنہ کے ساتھ ابطال کرنا۔

مدارس کی ضرورت

جس کے لئے خاصے علوم کی ضرورت ہوتی ہے اور ان علوم کی تحصیل کا طریق اور ان کا محل مدارس دینیہ ہیں کہ بدوں ان تعلیمات تفصیلی

برہانی کے بطریق حکمت جس کا حکم اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ۔ میں ہے نہ تبلیغ ہو سکتی ہے نہ امر بالمعروف اس لئے مدارس کا وجود اور ان کا بقاء نہایت ضروری ہے کہ وہ تمام شعبہ ہائے تبلیغ کا اصل ہے۔

مدارس کی اعانت

اور فرض کی اعانت فرض ہوتی ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ۔ اس کی دلیل ہے اس لئے مدارس عربیہ کی مالی اعانت کہ وہ تبلیغ کا اہم شعبہ ہے حسب قدرت فرض ہے اسی میں اپنے وہ بچے جو ذہین اور سمجھ دار ہوں ان کو تعلیم دین میں لگانا بھی بہ نیت اشاعت دین فرض و ضروری ہے اور یہ بھی منجملہ تبلیغ ہے اور والدین کے حق میں صدقہ جاریہ ہے۔

دوسرا طریق تبلیغ و امربالمعروف موعظت حسنہ ہے اور وہ بخطاب عالم علماء ہی کا حق ہے اور عالم ہونا بدوں درس و تدریس فی زماننا عادۃً ممکن نہیں اس لئے بھی اس حق تبلیغ کو ادا کرنے کے لئے مدارس کا قیام ان کی ترقی بالوجہ الاتم فرض ہے غرض یہ کہ مدارس عربیہ سے کسی وقت بھی عدم اعتناء و استغنا نہیں ہو سکتا۔

پس علماء کی ایک جماعت کثیرہ ایسی ہو کہ جو بخلوص نیت تبلیغ درس و تدریس میں جم کر مشغول رہیں جس پر دلیل فَلَوْ لَا نَفَرَ الایۃ اور لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِی الْاَرْضِ۔ ہے

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سبیل رب کی دعوت اور تبلیغ و امر بالمعروف کا حکم فرمایا ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ کی توفیق سے حدود و شروط کے ساتھ برعایت آداب تبلیغ کہ جن کا ذکر اس آیت میں ہے

کافی وافی بیان ہو گیا۔

اب میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں حق تعالیٰ ہم کو کجی سے بچاویں اور فہم سلیم و توفیق عمل عطا فرماویں امین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و الہ وصحبہ وبارک وسلم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

احکام التبلیغ

خطبہ ماثورہ۔ امابعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

یہ آیت جو آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی گئی ہے قرآن کریم کے چوتھے پارے کی ہے۔

وصف خاص پر خطاب خاص

اس آیت شریفہ میں اس امت مسلمہ کو ایک وصف خاص کے ساتھ موصوف ہونے پر خطاب خاص کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے اب جبکہ اس وصف کی وجہ سے خاص لقب عطا ہوا تو جس درجہ میں وہ وصف اس امت کے فرد میں پایا جائے گا اسی درجہ میں وہ لقب بھی اس کے لئے موضوع ہو گا اور یہ کون نہیں جانتا کہ خطاب شاہی ایک خاص احترام کی چیز ہوتی ہے جس کی حفاظت کے لئے پوری کوشش صرف کی جاتی ہے اور ڈر رہتا ہے کہ ہماری لا پرواہی اور بے اعتنائی اور بے فکری سے وہ کمال اور وہ وصف مضمحل اور معدوم نہ ہو جائے یا جس خدمت کے باعث وہ لقب اور خطاب بادشاہ کی جانب سے عطا ہوا ہے اس خدمت میں کوتاہی اور تساہل و تغافل نہ آجائے کہ مبادا وہ خطاب سلب کر لیا جائے اس لئے اصل اور قاعدہ اور ادب کے تحت ہمیں بھی حق تعالیٰ نے جس وصف کمال کے باعث خطاب دیا ہے ہمارے ذمہ ضروری ہے کہ بکمال اہتمام اس کو محفوظ رکھیں۔

خیر الامم کا خطاب

میرے دوستو! اور بزرگو! وہ خطاب ہمارے لئے خیر امم یعنی بہترین امت ہونے کا دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! تم تمام امم سابقہ سے بہترین امت ہو کیونکہ تمہارے اندر یہ خاص بات خوبی و کمال کی پائی جاتی ہے کہ تم دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

تو معلوم ہوا کہ ہم کو بہترین امت ہونے کا خطاب امر بالمعروف نہی عن المنکر کا وصف پائے جانے کے سبب سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہم سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہنا مطلوب ہے اسی پر ہمارا خیر الامم ہونا متفرع ہے۔

خطاب کی حفاظت

تو اے صاحبو! حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے اس خطاب کی حفاظت کیا ہمارے ذمہ ضروری نہیں؟ اگر ضروری ہے اور یقیناً ضروری ہے تو جس سبب سے یہ خطاب عنایت ہوا ہے اس سبب کو اختیار کرنا اور اس کا اہتمام رکھنا بھی ضروری ہے کہ لازم کا لازم لازم و ضروری ہوتا ہے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس امر ضروری پر کہاں تک عامل ہیں جبکہ آیت شریفہ میں تمام امتوں کے بعد ہمیں اس عالم میں بھیجنے کا منشاء ہی صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرمایا گیا جیسا کہ ابھی ترجمہ آیت سے معلوم ہو جائے گا فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ تم لوگ سب اہل مذاہب سے بہترین جماعت ہو کہ تمام لوگوں کے نفع ہدایت پہنچانے کے لئے دنیا میں ظاہر کئے گئے ہو اور نفع پہنچانے کی صورت جو کہ بہترین امت اور

ملشاء خیر ہونے پر دلیل ہے۔
وہ یہ ہے کہ تم زیادہ اہتمام کے ساتھ نیک کاموں کی دعوت دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے پر قائم رہتے ہو یعنی خود بھی دین کی سب باتوں پر ایمان رکھتے ہو کیونکہ وہ سب باتیں اللہ تعالیٰ ہی کی بتلائی ہوئی ہیں تب ہی تو تم دوسروں کو یہ باتیں بتلاتے ہو اور جب دوسروں کو بتلاتے ہو تو تم خود بھی بتلانے سے پہلے ان کو مانتے ہو اور ان کا علم رکھتے ہو کیونکہ جب تم خود ہی ان باتوں کا علم نہ رکھتے ہو گے اور نہ مانو گے تو دوسروں کو کیوں کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکو گے اور کیوں کر ان کو بتلا سکو گے اسی لئے فرمایا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

تبلیغ سے پہلے علم ضروری ہے

اس سے معلوم ہو گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے علم کا ہونا شرط ہے چونکہ جب تک معروف و منکر کا علم نہ ہو گا اس وقت تک معروف کا امر اور منکر سے نہی ممکن نہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ کہ تم میں سے جو بھی کسی منکر کو دیکھے اور ہاتھ سے روکنے پر قادر ہو تو اس کو چاہئے کہ اس منکر کو نہ کرنے دے اور ہاتھ کے ذریعہ اس برائی سے روک دے اور ہاتھ سے روکنے پر قادر نہ ہو کہ اس کو اتنی اقتداریت و حکومت حاصل نہیں کہ اس سے ضرر پہنچنے کو روک سکے یا دفع کر سکے تو زبان سے اس منکر سے بچنے اور رک جانے کو کہے آگے فرمایا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ کہ اگر زبان سے بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو کہ اپنا اتنا بھی اثر اور لحاظ لوگوں میں نہیں کہ کہنے سے رک جائیں بلکہ

غالب اندیشہ ضرر ہے تو دل میں ناگواری کرے تو یہاں حدیث میں منکر کو دیکھنے پر تغیر کا حکم فرمایا معلوم ہوا کہ تغییر منکر علم منکر پر موقوف ہے اس لئے امر بالمعروف کے لئے علم کا ہونا شرط ہے بقدر ضرورت علم کے بغیر امر بالمعروف جائز نہیں۔

جاہل کیلئے وعظ کہنا اور دوسروں کیلئے اس کا وعظ سننا جائز نہیں ہے

چنانچہ بیان القرآن میں ہے کہ "امر بالمعروف میں علم کی شرط ہونے سے معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات اور احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خصوصی وصف ہونے کی وجہ سے بہترین امت ہونے کا خطاب عطا فرمایا ہے تو اس لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہم اس پر کہاں تک عامل ہیں۔

ہر عبادت کے کچھ آداب و شرائط ہیں

مگر اس درجہ فضیلت معلوم ہونے پر یہ ضروری نہیں کہ اس کے کچھ آداب و شرائط اور حدود و قیود نہ ہوں بایں منجملہ عبادات کے یہ بھی ایک عبادت ہے اور ہر عبادت کے لئے کچھ شرائط اور آداب ضرور ہوتے ہیں مثل عبادت صلوٰۃ و صوم وغیرہ کے اس لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسی اہم عبادت کے لئے بھی شرائط و حدود کا ہونا ضروری ہے اور حدود سے تجاوز ممنوع جیسا کہ ارشاد ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ

حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اس لئے میرے دوستو! اور بزرگو! امر بالمعروف کے طریقے حدود و شرائط و آداب کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ عبادت بحد شرع ہو کر قبول ہو اور رضائے حق جو اصل مقصود ہے حاصل ہو۔

امر بالمعروف کی شرائط

سو میرے دوستو! اور بزرگو! اس عبادت امر بالمعروف کے مکلّف ہونے کے لئے چھ شرائط و آداب ہیں۔

اور یہ کہ اس بات کو جانتا ہے کہ میری بات نفع کرے گی اور کسی فتنہ و آفت کا اندیشہ و خوف نہیں اس صورت میں امور واجبہ میں امر بالمعروف واجب ہے اس لئے کہ اس صورت میں پوری قدرت حاصل ہے اور امور مستحبہ میں مستحب ہے۔

دوسری یہ کہ جانتا ہے کہ میری بات نفع نہیں کرے گی اور ضرر کا بھی اندیشہ ہے فتنہ و آفت کا خوف ہے اور قتل کا ظن غالب ہے اس صورت میں امر بالمعروف و تبلیغ واجب نہیں بلکہ ممنوع ہے جیسے کوئی ظالم تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور اس کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے اس کو امر بالمعروف کرنے والا جانتا ہے کہ محض کہتے ہی قتل کر ڈالے گا جان جانے کا خوف ہے بظن غالب جس کو شریعت میں یقین کا درجہ کہا جاتا ہے تو اس وقت امر بالمعروف کرنا ممنوع ہے بلکہ ایسی جگہ جانا بھی نہ چاہئے ہاں حاجت ضروری ہو یا زبردستی اس مقام پر لے جایا گیا ہو لیکن اس جگہ سے ہجرت کرنا لازم و ضروری نہیں مگر جب کہ گناہ کرنے پر مجبور کریں اور وہاں سے ہجرت کرنا ممکن ہو تو ہجرت لازم ہے۔

تیسری یہ کہ امر بالمعروف نفع نہ کرے لیکن ضرر کا بھی خوف نہ

ہو اس صورت میں امر بالمعروف مستحب ہے کیونکہ امر بالمعروف سے مقصود گناہ کا دفع کرنا ہے وہ ہو گا نہیں البتہ اس صورت میں اظہار شعار اسلام ہے اس لئے مستحب ہے۔

چوتھی یہ کہ امر بالمعروف سے نفع ہو لیکن ضرر لاحق ہونے کا بھی اندیشہ ہے مثلاً شراب کی بوتل یا مزامیر کو توڑ ڈالے لیکن جانتا ہے کہ میرا سر توڑ ڈالیں گے اس صورت میں امر بالمعروف واجب نہیں افضل اور اولیٰ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کلمہ حق بادشاہ ظالم کے سامنے کہنا فضیلت رکھتا ہے مگر یہ کہ اس وقت نفس میں اس کہنے اور امر بالمعروف کرنے سے عجب پیدا ہو تو امر بالمعروف درست نہ ہو گا۔

پانچویں یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کے بارے میں امر بالمعروف کرے اس کے متعلق پورا علم حاصل ہو۔

چھٹی یہ بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ امر بالمعروف زبان سے قدرت رکھنے کی صورت میں فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی جگہ کچھ لوگ اس کام کو انجام دے رہے ہوں تو بقیہ کے ذمہ امر بالمعروف و تبلیغ کرنا ضروری نہ رہے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت کی تفصیل

قدرت کے لحاظ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تین طور پر ہے ہاتھ کے ذریعہ منکر سے روکنا زبان سے منع کرنا دل میں ناگواری ہونا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَدْنَى الْاِيْمَانِ - کہ جس شخص میں ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہے اس کو چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے (یہ درجہ حکام و امراء کے لئے ہے کہ وہ بازور با اقتدار ہوتے

ہیں)

اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں کہ غالب اندیشہ فتنہ و ضرر کا ہے تو زبان سے روک دے (یہ درجہ علماء کا ہے کہ ان کی ایک گونہ عظمت لوگوں کے دل میں ہوتی ہے)

تیسری صورت یہ کہ زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہیں کہ غالب اندیشہ ضرر و فتنہ کا ہے محض زبان سے کہنے میں بھی تو دل میں اس کو برا جانے یہ طریق ان لوگوں کے لئے ہے جن کا کسی اعتبار سے بھی کسی پر اثر نہیں بلکہ غیر وقیع شمار کئے جاتے ہیں اور جس شخص کے دل میں بھی برا کام دیکھ کر ناگواری و نفرت نہ ہو اس شخص کے دل میں ایمان کے نہ ہونے کا اندیشہ ہے اور ضرر سے مراد یہاں ضرر واقعی ہے محض کسی کا امر بالمعروف کرنے والے کو برا کہنا یہ داخل ضرر نہیں۔

حضرت ابو مسلم خولانی کا واقعہ

چنانچہ حضرت کعب احبارؓ نے ابو مسلم خولانی سے پوچھا کہ تمہارا مرتبہ تمہاری قوم میں کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اچھا ہے اس پر کعب احبارؓ نے فرمایا کہ توریت میں اس کے خلاف ہے ابو مسلم نے کہا کہ وہ کیا ہے حضرت کعب نے فرمایا کہ توریت میں یہ ہے کہ جو شخص امر کرے معروف کے ساتھ اور منع کرے منکر سے وہ اپنی قوم میں بے قدر ہو جاتا ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لوگ بغض رکھتے ہیں سو تم جو کہتے ہو کہ لوگ مجھ کو اچھا جانتے ہیں معلوم ہوا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرتے ہو گے ابو مسلم نے اس کا اقرار کیا اور کہا کہ توریت سچ کہتی ہے میں قاصر ہوں کہ واقع میں اچھا نہیں اگرچہ لوگ مجھ کو اچھا جانیں۔

فضائل امر بالمعروف

امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہ چیز ہے کہ اس آیت شریفہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وصف ہونے کی وجہ سے ہی اس امت کی فضیلت تمام امتوں پر خیر الامم یعنی بہترین امت ہونے کی بیان فرمائی۔

دوسری آیت میں فرمایا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ کہ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و تعدی پر تعاون نہ کرو حدیث شریف میں ہے کہ بنی آدم کا کلام کل کا کل ضرر کا باعث ہے مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حق تعالیٰ کا ذکر۔

دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو لوگ اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں وہ بہشت کے بالا خانوں میں شہداء کے بالا خانوں سے اوپر ہوں گے اور ہر بالا خانے کے تین تین لاکھ دروازے یاقوت و زمرد کے ہوں گے اور ہر ایک کا ان میں سے تین تین سو حوروں سے نکاح کیا جاوے گا جبکہ ان کی طرف نظر کرے گا وہ کہیں گی کہ تو یاد رکھتا ہے کہ فلاں دن تو نے اچھی بات کا حکم اور بری بات سے منع کیا تھا ہم اس کا صلہ ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ افضل شہداء میں وہ شخص ہے کہ جو حاکم ظالم کو اچھی بات کا حکم کرے اور وہ مارا جائے اس کا حصہ بہشت میں حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان ہو گا۔

حضرت حذیفہؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ زندوں میں مردہ کون ہے فرمایا وہ شخص جو گناہ سے نہ بذریعہ ہاتھ روکے اور نہ زبان سے منع کرے نہ دل سے برا جانے وہ بمنزلہ مردہ کے ہے۔

ترک امر بالمعروف پر وعیدیں

حضرت حذیفہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا کہ مردار گدھا ان کے نزدیک محبوب تر ہو گا اس مسلمان سے جو کہ ان کو امر بالمعروف کرے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے کہ جو شخص گناہ پر دل سے بھی انکار نہ کرے یعنی برا نہ جانے یہ اس کے دل کے اندھا ہونے کے سبب سے ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ بستی بھی ہلاک ہوتی ہے جس میں صلحاء ہوتے ہیں؟ فرمایا ہاں صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ کس وجہ سے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ان کے گناہوں کو ہلکا جاننے اور سکوت کرنے کے سبب سے۔

چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو الٹ دو اس فرشتے نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس میں ایک تیرا بندہ ایسا ہے کہ ہر گز اس نے گناہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سمیت الٹ دو کیونکہ یہ لوگوں کے گناہوں کو دیکھتا تھا اور اس کا چہرہ متغیر نہ ہوتا تھا۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ایک بستی کو عذاب کریں گے کہ اس میں اٹھارہ ہزار آدمی ہوں گے کہ جن کے عمل انبیاء علیہم السلام کے عمل کے مانند ہوں گے مگر انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک کر

دیا ہو گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص پر لعنت نازل ہوتی ہے جو ایسی جگہ قصداً جاوے کہ جہاں لوگ ظلم کرتے ہیں اور وہ اس ظلم کو دفع نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جماعت کو خطاب فرمایا کہ کیا حال ہو گا تمہارا اس وقت جب کہ عورتیں سرکشی کریں گی اور جوان فسق کریں گے اور تم اپنے جہاد کو ترک کرو گے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ ہونا ہے؟ فرمایا کہ قسم ہے خدا کی کہ محمد کی جان اس کے قبضے اور قدرت میں ہے قریب ہے کہ ایسی چیزیں واقع ہوں گی جو کہ اس سے بھی سخت تر اور بدتر ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہو گا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرو گے صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی ہونا ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ سخت ایک چیز واقع ہو گی! صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا چیز ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم منکر کے ساتھ عمل کرو گے اور معروف سے منع کرو گے۔

مقصود بیان

میرے بزرگو! اور دوستو! ہم کو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ۔ میں بہترین امت کا خطاب حق تعالیٰ کی جانب سے عطا فرمایا گیا ہے اور یہ خطاب ہمارے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے خصوصی وصف کے سبب ہم کو عطا ہوا ہے ہمیں چاہئے کہ اس خطاب کی لاج رکھیں اس عطا کی حفاظت کریں اس امر

بالمعروف و نہی عن المنکر کے وصف کو اپنے اندر سے جانے نہ دیں بلکہ اپنی اپنی مقدرت اور قوت کے موافق انتھک کوششوں کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آخر دم تک لگے رہیں اور تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ کے حکم کی تعمیل ہوتی رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے فضائل و درجات حسب وعدہ حق تعالیٰ عطا ہوں گے آخرت میں بھی عطا ہوں گے اور دنیا میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے منافع دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق امر بالمعروف و نہی عن المنکر نصیب فرماویں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔